مردوزن حج کے لئے آتے، آپؐ انھیں ملے تو انھوں نے آپؐ کے دستِ مبارک پر بیعت کی اور آپؐ کو مدینہ تشریف لانے کی دعوت دی، آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ تجویز پسند آئی، مکہ میں حالات دن بدن خراب تر ہوتے جا رہے تھے، اور مسلمانوں پر عرصہ حیات تنگ ہوتا جا رہا تھا، آپؐ نے اس شرط پر اُن کی دعوت قبول کر لی کہ وہ ہر تلخ و شیریں حالت میں آپؐ کا ساتھ دیں گے اور آپؐ کی اور آپؐ کے ساتھیوں کی ہر قیمت پر حفاظت کریں گے، اس کے مقابل آپؐ نے بھی وعدہ کیا کہ آپؐ اور آپؐ کے مکی رفقا بھی ہر میدان میں ان کے معاون و ناصر ہوں گے، اور مرتے دم تک ان سے جُدا نہ ہوں گے، اس نئی صورتِ حال سے اُفقِ امتِ مسلمہ پر اُمید کا ایک نیا آفتاب طلوع ہوا، اور امید بندھی کہ مکہ میں تسبیح کے دانوں کی طرح بکھرے ہوئے اہلِ توحید مدینہ پہنچ کر ایک مربوط نظام اور معاشرے میں ڈھل جائیں گے، دشمن سے کامیاب دفاع کر سکیں گے، اور تعلیماتِ قرآن کے مطابق ایک خدا پرست، دیندار، با اخلاق، نافع الناس معاشرے کی تشکیل کریں گے، جو عرب بلکہ عالمِ انسانیت کے پرفساد ماحول میں چراغِ ہدایت ثابت ہوگا، جنھیں دیکھ کر بنی نوع انسان کے قلوب میں ازسرِ نو انسانیت، شرافت اور احترامِ آدمیت پر اعتماد پیدا ہوگا، اور دنیا میں عدل، امن اور حق و صداقت کی راہ ہموار ہوگی، چنانچہ جب قریشِ مکہ کے مظالم حد سے بڑھ کر ناقابلِ برداشت ہو گئے، اور امتِ مسلمہ کے اس ہراول دستے کی جان، مال و آبرو کے لئے شدید خطرہ سروں پر منڈلانے لگا، بدی کی قوتوں نے مٹھی بھر فرزندانِ توحید کو کسی نئی جائے پناہ کی تلاش پر مجبور کر دیا تو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ام القریٰ مکہ کے ان زبدہ ہر فرزندوں کو یثرب میں اپنے دینی بھائیوں کے پاس ہجرت کر جانے کا حکم دیا، جس کی طرف قرآن کا اشارہ ہے :-

وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا فِي اللّٰهِ مِنْ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا لَنُبَوِّئَنَّهُمْ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً	کاش یہ بے علم کافر جانتے کہ جن لوگوں نے راہِ خدا میں اُن کے ظلم سہنے کے بعد ہجرت کی ہے

وَلَاَجْرُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ (النحل)

ہم انھیں دنیا میں اچھا ٹھکانا دیں گے اور آخرت کا اجر تو بہت بڑا ہے، کیوں کہ ان لوگوں نے راہِ صدق و صفا میں صبر کیا اور اپنے رب پر ہی توکل کرتے ہیں۔

۲- فَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا وَاُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَاُوْذُوْا فِيْ سَبِيْلِيْ وَقٰتَلُوْا وَقُتِلُوْا لَاُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَلَاُدْخِلَنَّهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ثَوَابًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الثَّوَابِ (آل عمران)

پس جن لوگوں نے ہجرت کی اور اپنے گھروں سے نکالے گئے اور میری راہ میں ستائے گئے اور انھوں نے دشمنوں سے قتال کیا اور راہِ خدا میں شہید ہوئے ہم اُن کے سیئات کو دور کر دیں گے اور انھیں ان باغوں میں داخل کریں گے جن میں نہریں جاری ہیں یہ اللہ کی طرف سے بدلہ ہے، اور اللہ کے ہاں عمدہ بدلہ ہے۔

عالمِ انسانیت کی اس عظیم تحریک کا سنہری باب آخر میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے رفیقِ غار سیدنا ابوبکر صدیقؓ کی ہجرت سے لکھا گیا، خدا کا رسولؐ اور آپ کا رفیقِ سفر دونوں انتہائی خطرناک حالات میں مکہ سے نکلے اور دشمن کی سر توڑ کوشش کے باوجود، اس کے خطرناک ارادوں سے محفوظ رہ کر مدینہ میں اپنے احباب سے جا ملے۔

اسلامی (آسمانی) تحریک کا عظیم ترین انقلاب آفریں دن

یکم محرم الحرام اپنی عظمت، اثر آفرینی اور تعمیرِ انسانیت میں ایک سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے صدیوں پہلے قیامِ توحید کے لئے ایثار و محبت کا بلند نمونہ پیش کیا، لیکن یہ ایک انفرادی مثال تھی، لیکن یکم محرم الحرام اُس اُمت، سنت و ملتِ ابراہیمی کے پابند اور آپ کی دُعا کے مصداق ایک عظیم حزب اللہ کی یادِ دلاتا

ہے، جس نے خدائے واحد پر ایمان کی خاطر ہر اُس قربانی کا مظاہرہ کیا، جس کی کسی حق پرست جماعت سے توقع ہو سکتی تھی، انھوں نے پہلے تو سیدنا ابراہیم خلیل اللہؑ کی طرح دشمنوں کے درمیان سالہا سال تک بے چون و چرا جسمانی اور مالی قربانی دی، اور مخالفوں کے جور و تشدد کے دانت کھٹے کئے۔ پھر جب ہجرت کا حکم ہوا تو یہ عاشقانِ اسلام، محبانِ رسولِ خیر الانام، فرزندانِ توحید، سب کچھ قربان کر کے رضائے الٰہی کی خاطر غیر ملک میں پناہ گیر ہوتے، پھر ایک وقت آیا کہ ملائکہ صفت توحید پرستوں کا یہ گروہ راستے کی صعوبتوں اور خطرات سے بے نیاز، گھربار، زر و مال، کاروبار، اہل و عیال، والدین، بہن بھائی، دوست و احباب، حرمِ کعبہ کی قربت اور وطنِ عزیز کو ترک کر کے خالی ہاتھ، بے یار و مددگار، مگر دولتِ ایمان سے مالا مال، مدینہ منورہ جا پہنچا، اور زندگی کے باقی ایام بھی اپنے آقا کے اشارے پر جہاد، مسلسل جہاد میں صرف کر دئے، ان کی قوتِ ایمانی، ایثار اور تبتل الی اللہ اس قدر زیادہ تھا کہ جب چند سال بعد یہ عظیم ترین اہلِ ایمان فتحیاب ہو کر مکہ لوٹے تو اپنی چھوڑی ہوئی املاک کی طرف آنکھ اُٹھا کر بھی نہ دیکھا اور دار الہجرت مدینہ کی سکونت ترک نہ کی، اور دنیا پر ثابت و واضح کر دیا کہ امتِ مسلمہ، خاتم الانبیاء کی مزکیٰ و مطہر جماعت، جب ایک بار راہِ حق میں قدم اُٹھا لیتی ہے تو پھر اُس کے قدموں میں لغزش نہیں آتی، اور اللہ تعالیٰ کی محبت ہی تمام خواہشات و تعلقاتِ دنیا پر غالب رہتی ہے۔

یہ اہلِ توحید در اصل بے یار و مددگار نہ تھے، اللہ تعالیٰ کی نصرت و حمایت انھیں حاصل تھی، قدم قدم پر اللہ کے وعدے، برکات، اور دشمنوں کے خلاف کامیابیاں ان کے مقصد و عمل کی صداقت پر گواہی دے رہی تھیں، مدینہ منورہ کے سرفروش اہلِ ایمان انصار نے ایفائے عہد، ایثار، اخوتِ اسلامی اور ایمانی محبت کا جو نمونہ پیش کیا وہ اپنی مثال آپ ہے، انھوں نے ان دینی بھائیوں کو، اپنے بال بچوں اور نفسوں پر ترجیح دی، جس پر قرآنی الفاظ

یُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓی اَنْفُسِہِمْ وَلَوْ کَانَ بِہِمْ خَصَاصَۃٌ شاہد ناطق ہیں، یہ الفاظ جہاں ان ناصرانِ حق کی عظمت پر گواہ ہیں، وہاں اُس معاشرے کی نشاندہی کرتے ہیں، جو اسلام کا منشا تھا، جو آں حضرت صلعم نے قرآنی روح کے مطابق قایم کیا، جس کا نمونہ ان مٹھی بھر اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَہُمْ اہلِ ایمان نے آٹھ سال میں آسی (۸۰) کے قریب چھوٹی بڑی جنگیں لڑ کر پیش کیا اور ایک لمحہ بھر بھی ان کے پائے استقامت اور جذبۂ جہاد و شہادت میں کمی واقع نہ ہوئی، انصار مدینہ کے اس ایثار و خلوص کے مقابل مہاجرین نے بھی سیرچشمی اور احسان شناسی کی انتہا کر دی، اور جب انصار نے انھیں اپنی زمینوں، اموال، باغات، مکانوں، حتیٰ کہ ازواج کو طلاق دے کر نکاح کر لینے کی پیشکش کر کے دینی اخوت کا حق ادا کرنا چاہا تو مہاجرین کے سینے تشکر و امتنان سے بھر گئے، فرطِ مسرت سے ان کی آنکھیں پُرنم ہوگئیں، مگر اپنے انصار بھائیوں سے کچھ لینے سے انکار کر دیا، البتہ اُن کے تعاون سے کاروبار میں لگ گئے اور پھر ان کے ساتھ عزیزوں سے بڑھ کر سلوک کیا۔

بلاشبہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا دن تاریخِ انسانیت میں نمایاں مقام رکھتا ہے اور آپ ہی اُمتِ مسلمہ کے قافلے کے ہادی، اسوۂ کامل اور سراجِ منیر ہیں، لیکن آپ کی بعثت کا مقصود دعائے خلیلؑ و اسماعیلؑ کی مصداق امت مسلمہ کی تشکیل، تطہیر اور تنظیم تھی، کیوں کہ سنت اللہ کے مطابق ہادیان امت درمیان سے اُٹھا لئے جاتے ہیں۔ اور آیندہ رہنمائی کے لئے کتاب اللہ کی صورت میں ان کی تعلیمات اور اسوۂ حسنہ باقی رہ جاتے ہیں، امت ان کی قائم مقام ہوتی ہے۔ جو تبلیغ اور عمل سے آسمانی مشن کو زندہ رکھتی اور آگے بڑھاتی چلی جاتی ہے، اور ختمِ نبوت اور تکمیل دین کے بعد اب اُمتِ مسلمہ ہی قیامت تک ہادی و معلمِ بنی نوعِ انسان ہے۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قیادت میں امتِ مسلمہ کی تشکیل و تنظیم کا اولین مظاہرہ ہجرتِ مدینہ کی صورت میں ہوا، جن لوگوں پر نزولِ قرآن ہوا، جن پر آیاتِ الٰہی روز و شب پڑھی جاتی تھیں، انھیں ہجرت کی اہمیت کا پوری طرح احسا

تھا، خود اللہ تعالیٰ نے اس گروہ کو بار بار مہاجرین وانصار کے ناموں سے یاد کیا ہے، اور اس طرح ہجرت اور سن ہجری کی عظمت کو دلوں میں جاگزیں کرنے کی طرف بار بار توجہ دلائی ہے۔ اور اصحابِ رسولؐ نے اس انقلابی واقعہ ہجرت کی یاد تازہ رکھنے کے لئے اسلامی سال کی ابتدا، ہجرت سے کی، پھر بعد کے ائمہ، فقہاء، اولیاء، اور اربابِ فکر و نظر نے اس کی اہمیت کو ملحوظ رکھتے ہوئے، اس سن کو برقرار رکھا، حتیٰ کہ کفر و نفاق کی آندھیوں نے ہجرت کی اہمیت کو نگاہوں سے اوجھل کر دیا اور امتِ مسلمہ کے ساتھ ان کا یہ عظیم ترین کارنامہ بھی فراموش کر دیا گیا، پس یاد رہے کہ ماہ محرم الحرام کو غلبۂ اسلام اور اتحادِ عالم میں منفرد مقام حاصل ہے، اور اگر آج امتِ مسلمہ دنیا میں اپنا صحیح اور بلند مقام حاصل کرنے کی متمنی ہے، تو اسے اس دن اور مہینے کی اہمیت کو تازہ کرنا ہوگا۔

قرآنِ حکیم نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نزولِ مدینہ سے قبل ایمان لانے والے مہاجرین وانصار کو جو خراجِ تحسین پیش کیا ہے وہ اس گروہ کی علوِ مرتبت پر شہادتِ کبریٰ ہے۔ اور اس محبت، ایثار اور شفقت کا مظہر ہے جو ان فوق البشر اہلِ ایمان کے سینوں کی زینت ہے جیسا کہ آیاتِ ذیل سے عیاں ہے

لِلْفُقَرَآءِ الْمُهَاجِرِيْنَ الَّذِيْنَ أُخْرِجُوْا
مِنْ دِيَارِهِمْ وَأَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا
مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا وَّيَنْصُرُوْنَ اللّٰهَ
وَرَسُوْلَهٗ أُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ
تَبَوَّءُو الدَّارَ وَالْإِيْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّوْنَ
مَنْ هَاجَرَ إِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُوْنَ فِيْ صُدُوْرِهِمْ
حَاجَةً مِّمَّآ أُوْتُوْا وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى أَنْفُسِهِمْ
وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ وَّمَنْ يُّوْقَ
شُحَّ نَفْسِهٖ فَأُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ

"یہ مال فے (غنیمت) ان نادار مہاجروں
کے لئے ہے جو اپنے گھروں اور مالوں سے
نکالے گئے محض اس لئے کہ وہ صرف اللہ
کا فضل اور اس کی رضا چاہتے ہیں، اور اللہ
اور اس کے رسول کی مدد کرتے ہیں، یہی لوگ
ایمانوں میں صادق ہیں، اور وہ جو ان سے
پہلے دار الہجرت مدینہ میں رہتے اور ایمان رکھتے
تھے، وہ ہر اس شخص سے محبت کرتے ہیں،
جو ہجرت کر کے ان کی طرف آیا ہے اور اپنے

وَالَّذِیْنَ جَآءُوْا مِنْۢ بَعْدِهِمْ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِیْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِیْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِیْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ (الحشر)

سینوں میں اُس کی کوئی حاجت نہیں پاتے جو ان نادار مہاجروں کو دیا جاتا ہے، اور وہ اپنے آپ پر ان کو مقدم رکھتے ہیں، گو انھیں خود تنگی درپیش ہو اور جو شخص اپنے نفس کے بخل سے بچ جائے، تو وہی کامیاب ہوں گے اور وہ جو اُن کے بعد آئے، کہتے ہیں کہ ہمارے رب ہماری مغفرت فرما اور ہمارے ان بھائیوں کی بھی مغفرت فرما جو ایمان میں ہم سے سبقت لے گئے، اور ہمارے دلوں میں اُن کے لئے جو ایمان لائے حسد و کینہ پیدا نہ ہونے پائے، اے ہمارے رب تو مہربان، رحم کرنے والا ہے"

یہ آیات ۴ھ میں نازل ہوئیں، جب کہ مدینہ کی شہری زندگی کو بنی نضیر کے بدعہد مفسد یہودی عناصر سے پاک کر دیا گیا، اور ان کے اموال مسلمانوں کے تصرف میں آ گئے ان آیات میں تین گروہوں کا ذکر ہے، جن کی فلاح وکامرانی کی شہادت پیش کی گئی ہے، پہلا گروہ ان مہاجروں کا ہے، جو مکہ میں ۱۳ سال تک دامن رسول سے وابستہ رہ کر ہر گونہ مصائب و آلام کی بھٹی میں سے گذرے اور آخر کار ارشادِ ربانی پر دنیا اور اس کے علائق سے منہ موڑ کر مدینہ چلے آئے، فدائیان رسولؐ کے اس مقدس گروہ نے دنیا کو خدا کی راہ میں ترک کیا تو جب انصار مدینہ نے قوتِ لا یموت کے طور پر انھیں دنیا کا مال پیش کرنا چاہا تو انھوں نے کمالِ استغنا سے اُسے لینے سے انکار کر دیا، اور اپنی محنت کی کمائی، کسب حلال پر اکتفا کیا بلکہ اس سے بھی پس انداز کر کے راہِ حق میں صرف کرتے رہے، اور اس چار سال کی مدت میں جب بدر، احد اور دوسری جنگوں میں جہاد کے لئے پکار آ گیا تو خدا اور رسول کا حکم ملتے ہی اپنے نئے کاروبار گھر بار، اور اہل و عیال

کو خدا کے سپرد کر کے انصار کے پہلو بہ پہلو رسولِ خدا کے پیچھے صف بستہ ہو گئے، اور کسی قربانی سے دریغ نہ کیا، خدا اور اُس کے رسولؐ کی نصرت کی، اور یہ سب کچھ کس لئے؟ وَيَبْتَغُونَ فَضْلًا مِّنَ اللَّهِ وَرِضْوَانًا، محض اللہ کے فضل اور خوشنودی کے لئے، کیا اجتماعی سرفروشی اور ایثار کا اس سے بلند تر مقام ممکن ہے؟ خدا کی طرف سے یہ سند مبارک ہوا ابو بکر صدیق اکبرؓ کو، عمر ابن الخطابؓ کو، عثمانِ غنیؓ کو، علیؓ ابن ابوطالب (عبد مناف) کو، حمزہؓ بن عبدالمطلب کو، عبدالرحمن بن عوفؓ کو، مصعبؓ بن عمیر کو، زبیرؓ بن عوام کو، عثمانؓ بن مظعون کو، طلحہؓ بن عبید اللہ کو، سعدؓ بن ابی وقاص کو، ابو عبیدہؓ بن جراح کو، زیدؓ بن حارث کو، بلال حبشیؓ کو، صہیبؓ رومی کو، خبابؓ بن ارت کو، اور دیگر تمام مہاجرین کو، (رضوان اللہ علیہم اجمعین) جنھوں نے احسن طریق سے خدا اور رسولؐ سے اپنے عہد کو پورا کیا۔

کاروانِ جہاں تو کے ان حُدی خوانوں کا دوسرا حصہ ان انصار مدینہ سے عبارت تھا جو اگرچہ مہاجرین کے بعد دولتِ ایمان سے مالا مال ہوئے، لیکن مہاجرین کی طرح ہجرت سے قبل ایمان لائے تھے اور انھوں نے خطرات کی سنگینی سے واقف ہوتے ہوئے بھی جذبۂ ایمانی سے سرشار ہو کر سرورِ عالمؐ اور مہاجرین کو اپنے ہاں آنے کی دعوت دی تھی، اور اپنے ان مہاجر بھائیوں سے متعلق جس جذبہ کا اظہار کیا، وہ محبت کا وہ جذبہ تھا۔ جو تعلقات میں اعلیٰ اور شریف ترین جذبہ ہوتا ہے، جس کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ جو کچھ انھوں نے مکانوں اور مالوں کی صورت میں مہاجرین کو دیا، اس کی واپسی کا ان کے قلوب پر مطلق خیال تک نہ تھا، اور یہ ان کی فلاح کا معیار ٹھہرا (وَمَنْ يُوقَ شُحَّ نَفْسِهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ) پھر جنگِ بدر، اور جنگِ اُحد وغیرہ میں متواتر تین سال تک آتشِ جنگ میں کود کر وفائے عہد پر مہر ثبت کر دی تھی، ان ہر سہ جنگوں میں ان کا بہت زیادہ جانی نقصان ہوا، مگر ان کے حوصلے پست نہ ہوئے، اور جب ایثار و قربانی کے بعد مال و دولت کی تقسیم ہوئی تو پھر بھی يُؤْثِرُونَ عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ کے مصداق تمام مال نادار مہاجرین میں تقسیم کر دیا اور مہاجرین کی طرح ہی بے لوث ایثار سے

فضل ورضائے الٰہی کو اپنا مقصود بنایا، یہ وہ اُمّتِ مسلمہ تھی جو دعائے ابراہیم واسماعیل (علیہما السلام) کے مطابق حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تیار کی تھی، یہی قیامت تک آپ کی صداقت پر سند اور پیغام الٰہی کی علمی وعملی تصویر اور حامل ٹھہری۔

تیسرا گروہ ان مومنین کا ہے جو ہجرتِ نبوی کے بعد امتِ مسلمہ میں شامل ہوا یا قیامت تک شامل ہوتا رہے گا، ان میں وہ لوگ بھی شامل ہیں، جو ہجرتِ نبوی کے بعد فتح مکہ تک، یا فتح مکہ سے وصالِ نبوی تک، یا پھر وصالِ نبوی سے تا قیامِ قیامت اس گروہ مہاجرین و انصار کے نقشِ قدم پر چل کر اُمّتِ مسلمہ میں اضافہ کرتے رہے اور کرتے رہیں گے۔ اس گروہ کی خصوصیت یہ بیان کی گئی ہے کہ جہاں وہ اپنے لئے اللہ تعالیٰ سے مغفرت و رحمت کے طالب ہیں وہاں وہ ان اصحاب و ناصرانِ رسول، انصار و مہاجرین یا ان کے بعد آنے والے اہلِ ایمان کے درجات کی بلندی کے لئے شب و روز دعائیں کرتے ہیں، اور ان کی دلی تڑپ اس دعا سے عیاں ہے کہ الٰہی ہمارے قلوب میں اپنے ان افضل و برتر، اَلسَّابِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ اور ان کے بعد آنے والے اہلِ ایمان کے لئے دل کے کسی گوشے میں مخالفانہ خیالات اور جذبات کی آلائش پیدا نہ ہو۔ بلکہ ان کا ایمان، محبتِ الٰہی، ایثار، انابت الی اللہ، خلوص نیت و عمل، جہاد فی سبیل اللہ اور عشقِ رسول، ہمارے لئے مشعلِ ہدایت رہے۔

پس اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلعم کے ارشاد پر ہجرت کرنے والے مہاجرین، ان مہاجرین کی راہ میں آنکھیں بچھانے والے انصار اور ان ہر دو گروہوں کی محبت میں سرشار اور ان کی روشن کی ہوئی مشعل کو لے کر دنیا میں آگے ہی آگے بڑھنے والے اہلِ ایمان ہی سے حزب اللہ اور امتِ مسلمہ عبارت ہے، جس کی محبت خدا اور رسول کی محبت اور جس سے ایک قدم دوری قرآن کا انکار، کفر، خسران اور گمراہی ہے۔

سورۂ حشر کی ان آیات کی تائید آں حضرت صلعم کے وصال سے ایک سال پہلے نازل شدہ سورۂ توبہ کی درج ذیل آیت سے بھی ہوتی ہے۔

وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ

(سورۂ توبہ)

مہاجرین اور انصار میں سے ایمان میں سبقت لے جانے والے اور وہ لوگ جنھوں نے ان مہاجرین وانصار کی احسن طریق سے پیروی کی، ان تینوں گروہوں سے اللہ راضی ہوگیا اور وہ بھی اللہ سے راضی ہوگئے، اور اللہ نے ان کیلئے باغات تیار کر رکھے ہیں، جن کے نیچے نہریں جاری ہیں، وہ ان باغات میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے اور یہ خدا کے ہاں بڑی کامیابی ہے۔"

اس آیت میں بھی سورۂ حشر میں مذکور تینوں خدا کے محبوب گروہوں کا ذکر ہے، یعنی آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نزولِ مدینہ سے قبل ہجرت کرنے والے مہاجرین، ان کے مدنی انصار اور ان مہاجرین وانصار کے نقشِ قدم پر چلنے والے بعد کے اہلِ ایمان، امتِ مسلمہ کی اجتماعیت کا خلاصہ یہی مہاجرین وانصار ہیں، یہی خیر امت ہیں (كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ) جو فلاحِ انسانیت کے سلسلہ میں مشعلِ رحمت و ہدایت ہیں، یہی كَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا کی مصداق عالمی اُمتوں کی سردار اُمت ہے یہی ایمان وعمل کا نمونہ شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ ہیں، یہی اللہ اور اُس کے رسولؐ کے ناصر ہیں، جنھوں نے رضائے الٰہی کی جنت کے عوض اپنے اموال اور نفوس اپنے اللہ کے ہاتھ فروخت کردئے ہیں۔ انھوں نے مَنْ اَنْصَارِيْٓ اِلَى اللّٰهِ کی صدائے آسمانی پر نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ کا نعرہ لگایا، اور اُن کے بعد مومنین، متقین اور صالحین اُمت کا وہ گروہ ہے، جس نے ان مہاجرین وانصار سے دل وجان سے محبت کی، ان کے ایمانی نمونہ پر چلے اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اس روشن کی ہوئی شمع پر پروانہ وار فدا رہے، اور حضورؐ کے لگائے ہوئے چمن سے لطف اندوز ہوتے رہے اور اس کی آبیاری کو عینِ ایمان سمجھا اور سمجھتے رہیں گے، یہی وہ مبارک اُمتِ مسلمہ ہے جس سے تا قیامت اللہ تعالیٰ نے اپنی خوشنودی کا اعلان کیا ہے، اور جو کوئی بدقسمت

فرد یا گروہ اپنی نابکار پھونکوں سے اللہ اور اس کے رسول کی اس روشن کی ہوئی شمع کو بجھانے کی ناپاک اور مذموم سعی کرے گا، وہ نامراد رہے گا۔ وَذَالِکَ ھُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِیْنُ ۔

سورۃ الواقعہ میں اسی اَلسَّابِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ کی جماعت کو بشارت دی گئی ہے ۔

وَالسَّابِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ اُولٰئِکَ الْمُقَرَّبُوْنَ فِیْ جَنّٰتِ النَّعِیْمِ ثُلَّۃٌ مِّنَ الْاَوَّلِیْنَ وَقَلِیْلٌ مِّنَ الْاٰخِرِیْنَ عَلٰی سُرُرٍ مَّوْضُوْنَۃٍ مُّتَّکِئِیْنَ عَلَیْھَا مُتَقٰبِلِیْنَ (الواقعہ)

اور اہلِ ایمان میں سبقت لے جانے والے سب سے آگے ہی ہیں وہ مقربانِ الٰہی ہیں، نعمتوں والے باغوں میں ایک بڑی جماعت پہلوں میں سے اور تھوڑے پچھلوں میں سے، جڑاؤ تختوں پر ان پر تکئے لگائے ہوئے آمنے سامنے ہوں گے ۔

امت مسلمہ کے ان تین اجزاء کا سورۃ انفال میں ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا :۔

وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَھَاجَرُوْا وَجَاھَدُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَالَّذِیْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْا اُولٰئِکَ ھُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا لَھُمْ مَّغْفِرَۃٌ وَّرِزْقٌ کَرِیْمٌ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْ بَعْدُ وَھَاجَرُوْا وَجَاھَدُوْا مَعَکُمْ فَاُولٰئِکَ مِنْکُمْ (الانفال)

اور جو لوگ ایمان لائے اور ہجرت کی اور خدا کی راہ میں جہاد کیا اور جن لوگوں نے انھیں پناہ دی اور ان کی نصرت کی یہی سچے مومن ہیں۔ ان کے لئے مغفرت اور عزت والا رزق ہے اور جو لوگ بعد میں ایمان لائے اور ہجرت کی اور تمہارے ساتھ مل کر جہاد کیا تو وہ بھی تم ہی میں سے ہیں۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری سال کی یہ آیت بھی ان تین سعادت مند، خوش نصیب گروہوں کی مدح و ستائش میں ہے، یعنی ابتدائی دور میں ایمان لانے والے مہاجرین اور مجاہدین فی سبیل اللہ، پھر ان کو پناہ دینے والے مدینہ کے اہلِ ایمان، یہ دونوں گروہ پکے اور سچے مومنین ہیں، جن کے لئے اللہ تعالیٰ نے جنت اور اس میں عزت والا رزق تیار کر رکھا ہے، پھر وہ سعید لوگ بھی ان ہی کا حصہ اور انعاماتِ الٰہی کے مستحق ہیں، جو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ میں آپ کی ہجرت

کے بعد اور فتح مکہ سے قبل ایمان لائے۔ ہجرت کر کے آپؐ کے مبارک قدموں میں آ بیٹھے اور مہاجرین وانصار کے گروہ کی معیت میں راہِ خدا میں جہاد کر کے امتِ مسلمہ کے بابرکت وجود کا حصہ بن گئے اور اسی طرح تا قیامت جو لوگ اس مقدس گروہ کے نقشِ قدم پر چل کر راہِ خدا میں حسبِ ضرورت ہجرت اور جہاد کریں گے، ان کا حشر حضرت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم، آپؐ کے جاں نثار مہاجرین وانصار اور ان کے کامل متبعین کے زمرے میں ہوگا، انھیں جنت الفردوس میں انعامات سماوی سے نوازا جاتے گا اور یہ آسمانِ ہدایت وصداقت پر ستارے بن کر چمکیں گے، رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا الَّذِينَ سَبَقُونَا بِالْإِيمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِي قُلُوبِنَا غِلًّا لِّلَّذِينَ آمَنُوا رَبَّنَا إِنَّكَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ۔

ہجرت کے بعد آزمائش کا نیا دور | وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللَّهُ بِبَدْرٍ وَأَنتُمْ أَذِلَّةٌ

ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں امتِ مسلمہ ایک سیسہ پلائی گئی دیوار (بنیان مرصوص) بن گئی تھی۔ انھوں نے تیرہ سال تک فرداً فرداً اپنے ایمان، استقامت اور کوہِ وقار صبر کا مظاہرہ کیا تھا اور اب وقت آگیا تھا کہ سیدنا خلیل اللہ کی دعاؤں اور تمناؤں کا ثمر امتِ مسلمہ، غلبۂ حق و اقامتِ دین کے لئے متحدہ ہو کر جہاد کرے۔ مدینہ میں مسلمانوں کے اس اجتماع کو قریش مکہ، یہود ومشرکین مدینہ اور قرب ونواح کے دشمن قبائل نے تشویش اور معاندت کی نظر سے دیکھا اس لئے قریش نے حجاز کے غیر مسلم، اسلام دشمن عناصر کو اپنے ساتھ ملایا اور اس بات کا ارادہ کر لیا کہ اس سے پیشتر کہ مسلمانوں کی تعداد میں مزید اضافہ ہوا اور وہ مدینہ میں مضبوطی سے قدم جما کر ان کے اقتدار، تجارتی مفاد، مذہبی اجارہ داری استحصال اور عظمت وتسلط کے لئے خطرہ کا موجب بن جائیں وہ سب مل کر اہلِ ایمان کے اس مختصر، کمزور اور پریشان حال گروہ کے وجود کو صفحۂ ہستی سے حرفِ غلط کی طرح مٹا دیں، آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس خطرے کا پوری طرح احساس تھا، اس لئے آپ نے مدینہ میں نزول کے فوراً بعد یہودیوں اور قرب وجوار کے بدوی قبائل سے بیرونی دشمن کے خلاف مل کر مدافعت اور ایک دوسرے کی حفاظت کا عہد وپیمان کیا، گو انصارِ مدینہ سے دیرینہ

تعلقات و مواعید کی بنا پر یہود و دیگر قبائل اس عہد و پیمان پر آمادہ ہو گئے، لیکن بالخصوص یہود کو اسلامی تعلیمات اور مسلمانوں کے اجتماع سے تشویش ہوئی، وہ مذہبی اور تہذیبی لحاظ سے اپنے آپ کو عربوں پر فائق سمجھتے تھے، مگر ان کے بعض علماء نے اسلام قبول کر لیا تو انھیں اپنی جمعیت منتشر ہوتی نظر آئی پھر مدینہ کی تجارت یہود کے ہاتھ میں تھی، لیکن جب مکہ کے تجارت پیشہ مہاجرین نے مدینہ میں کاروبار شروع کیا تو انھیں اپنی اجارہ داری خطرے میں نظر آئی اس کے ساتھ ساتھ قریش مکہ نے انھیں دھمکی دی کہ اگر تم نے مسلمانوں کا ساتھ دیا تو قریش تمھیں برباد کر دیں گے، اور اگر وہ قریش کا ساتھ دیں تو مسلمانوں کو ختم کر دیا جاتے اور یہود کی برتری دوبارہ قائم ہو جائے گی، ان وجوہ کی بنا پر یہود اسلام اور مسلمانوں کی بربادی کے لئے سازشیں کرنے لگے، خود انصار کے قبائل اوس و خزرج کا ایک طبقہ اپنے قبائل کی اکثریت کا ساتھ دیتے ہوئے زبان سے مسلمان ہو گیا، لیکن یہ لوگ دراصل مسلمان نہ ہوئے تھے، اور مہاجرین کی موجودگی کو اپنے اقتدار اور بالادستی کے منافی سمجھتے تھے، منافقین کا یہ گروہ بھی چاہتا تھا، کہ مدینہ سے آں حضرت صلعم اور مہاجرین مکہ کو نکال دیا جائے۔ اور وہ خطرہ ٹل جائے جو مہاجرین کا ساتھ دینے کی وجہ سے کفارِ عرب بالخصوص قریش مکہ کی طرف سے نظر آ رہا تھا، اور انھوں نے مسلمانوں میں یہ پروپگنڈہ شروع کر دیا تھا کہ غَرَّ هٰٓؤُلَاۗءِ دِيْنُهُمْ۔ ان کے دین نے انھیں دھوکے میں مبتلا کر دیا ہے اور اب یہ اپنی غلطی کی وجہ سے فنا ہو جائیں گے۔ اور اس سلسلہ میں وہ بھی یہود کے ہمنوا اور شریکِ سازش تھے، ان حالات میں قریش مکہ نے مدینہ کے یہود اور منافقین سے سازباز کی، اور مسلمانوں کے خلاف انھیں اپنے ساتھ ملا لیا۔

مسلمانوں کو مدینہ پہنچے بمشکل ایک ہی سال گذرا تھا، کہ انھیں قریش کے معاندانہ ارادے کا علم ہو گیا، انھیں یہ بھی اطلاع ملی کہ رؤسا تے مکہ اُس تجارتی قافلہ کا انتظار کر رہے ہیں۔ جو جناب ابو سفیان کی سرکردگی میں شام سے اسلحہ خریدنے گیا ہوا ہے تاکہ نئے اسلحہ سے مسلح ہو کر مدینہ پر حملہ کیا۔

حق و باطل کا یہ معرکہ اس بات کا فیصلہ کرنے والا تھا۔ کہ بنی نوعِ انسان کی تقدیر ایک نئی روشن و مبارک صبح میں ڈھل جائے گی، اور دنیا میں توحید، وحدت و احترامِ انسان اور عروج و ارتقاء کا

ایک انقلابی دور شروع ہوگا، یا دنیا کفر و باطل کی کامیابی کی صورت میں فسق و فجور، توہمات، لادینیت، جبر و استبداد، قتل و غارت، لوٹ کھسوٹ، جور و ستم اور رنگ و نسل کے امتیازات کی آگ میں جل کر بھسم ہو جائے گی۔

اللہ تعالیٰ کا منشاء اب یہ تھا کہ حق و باطل میں امتیاز کر دے، اس مٹھی بھر جماعت کو کفر کے کثیر لشکر سے ٹکرا دے اور باطل کی قوتوں کو تہس نہس کر دے، چنانچہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار و مہاجرین کے اس قلیل التعداد گروہ کو بلایا۔ ان کے سامنے تمام صورت حالات پیش کر کے مشورہ طلب کیا، مہاجرین نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اشارے پر اپنی جانیں پیش کر دیں کہ ہم آپ کے ہر حکم پر دل و جان سے حاضر ہیں، آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم انصار کی رائے کے منتظر تھے، اس لیے دوبارہ دریافت کیا تو آں حضرت صلعم کا منشاء بھانپ کر جاں نثار انصا کے سردار حضرت سعد بن معاذؓ نے عرض کی

"ہم تو ہر حالت میں حضور کے ساتھ ہیں، کسی سے معاہدہ کیجئے، کسی سے معاہدہ کو نامنظور کیجئے، ہمارے زر و مال سے جس قدر منشاء مبارک ہو، لیجئے، ہم کو جو مرضئ مبارک ہو عطا کیجئے، مال کا جو حصہ حضورؐ ہم سے لیں گے ہمیں وہ اس مال سے زیادہ پسند ہوگا، جو حضورؐ ہمارے پاس چھوڑ دیں گے، ہم کو جو حکم حضورؐ دیں گے ہم اس کی تعمیل کریں گے، اگر حضورؐ مکہ سے بھی آگے جانے کو کہیں گے تو ہم آپ کے ساتھ ہوں گے۔ اگر حضورؐ ہمیں سمندر میں گھس جانے کا حکم دیں گے تو ہم حضورؐ کے ساتھ وہاں بھی چلیں گے، یا رسول اللہ! ہم وہ نہیں ہیں کہ موسیٰؑ کی قوم کی طرح کہہ دیں۔

اِذۡهَبۡ اَنۡتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَاۤ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوۡنَ (جا تو اور تیرا رب لڑو ہم تو یہاں بیٹھے ہیں) ہم تو حضورؐ کے دائیں بائیں آگے پیچھے لڑنے کے لئے حاضر ہیں"

یہ تھے مہاجرین و انصار، سرکار دو عالمؐ کے تربیت یافتہ، اہل ایمان، امت مسلمہ و ملت خلیل کا ثمر، محبت خدا و رسولؐ سے سرشار، جان، مال، اہل و عیال سے بے نیاز، مئے بعرفان توحید

سا گروہ کفر و باطل کی تمام قوتوں سے ٹکرانے پر مہیا و آمادہ، اور جب تمام افراد کی قوت کا جائزہ لیا گیا، تو چھوٹے بڑے، جوان بوڑھے، طاقت ور اور ناتوان، کل تین سو تیرہ افراد نکلے، جن کے پاس صرف دو گھوڑے، آٹھ تلواریں، اور ستر اونٹ تھے، جن کے ہتھیار فرسودہ اور ناکافی تھے، اور مقابلہ پر پرستارانِ باطل اپنے تھرمانی جوش ذنکبر کے ساتھ بپھرے ہوئے موجود تھے جن کے کان میں ابلیسِ لعین نے لَاغَالِبَ لَکُمُ الْیَوْمَ کا فسوں پھونکا کہ آج تمہاری قوت کے سامنے کوئی نہیں ٹھہر سکے گا، مگر اس امتِ مسلمہ کے دل جوشِ شہادت سے سرشار اور ان کے حوصلے اس پیمانِ الٰہی سے بلند تھے کہ اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰہَ یَنْصُرْکُمْ وَیُثَبِّتْ اَقْدَامَکُمْ

اگر تم خدا کی مدد کرو گے تو خدا تمہارا ناصر ہوگا اور تمہارے دشمنوں ہی کے قدم اکھڑیں گے۔

مجاہدینِ توحید کا یہ بے سر و ساماں گروہ، تائیدِ الٰہی کے بھروسے پر مکہ کے ایک ہزار جنگجوؤں پر مشتمل، پوری طرح مسلح لشکر کو روکنے کے لئے مدینہ کے جنوب میں بدر کے مقام پر پہنچا، نصرتِ الٰہی نے قدم لئے، بارش ہوئی، پانی کی قلت جاتی رہی، کسل و جبن دور ہوگیا، رتیلی زمین سخت ہوگئی، چلنا پھرنا آسان ہوگیا اور اہلِ ایمان رات بھر گہری پرسکون نیند سوتے۔

لیکن میرِ سپاہ، سالارِ لشکر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نیند کہاں آتی تھی۔ اس جنگ میں کامیابی ہی سے مستقبل میں حق کا بول بالا وابستہ تھا، آپ نے اپنی چودہ سال کی تبلیغی مساعی کا تمام اثاثہ اور ماحصل، اہلِ ایمان کا یہ مختصر سا گروہ، آتشِ جنگ میں جھونکنے کے لئے لا کھڑا کیا تھا اپنی کوتاہی و کمزوری کے مقابل اللہ تعالیٰ کی بے نیازی اور استغنا پر بھی نظر تھی، سجدہ میں سر رکھا، آنکھوں سے آنسوؤں کے چشمے پھوٹ نکلے اور آپ بے چین ہو کر پکار اٹھے:-

"اے مولا! اگر یہ چھوٹی سی جماعت آج ہلاک ہوگئی تو پھر قیامت تک تیری عبادت کرنے والا کوئی نہیں ہوگا"

ان انصار و مہاجرین کا کیا ہی بلند اور منفرد مقام ہے، اور کیوں نہ ہو، اس پودے کی آبیاری تو عالمِ انسانیت کے عظیم ترین باغبانؐ نے کی تھی، دعا کے بعد حضورؐ میدانِ جنگ کی

طرف متوجہ ہوئے۔ مٹھی بھر کنکرے کر کفار کی طرف پھینکے، اور بلند آواز سے جاں نثاروں کو یہ بشارت سنائی۔ سَیُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّونَ الدُّبُرَ۔ دشمن کی جمعیت شکست کھائے گی اور پیٹھ پھیر کر بھاگ جائے گی۔

بدر کے میدان میں اللہ تعالیٰ نے اس کمزور ناتواں امت مسلمہ کی مدد کی، ان کی تائید کے لئے فرشتے نازل کئے، دشمن کے ستر سردار و جوان قتل ہوئے اور اسی قدر گرفتار ہوئے اور تاریخ عالم میں اس دور کا آغاز ہوا جس کے لئے ابتدائے آفرینش سے لاکھوں اہل اللہ اور اہل ایمان دعائیں مانگتے، جہاد کرتے اور قربانی دیتے آئے تھے۔

حیرت اندر حیرت | اس جنگ کا ایک ایمان آزما پہلو یہ بھی تھا، کہ اس جنگ میں بھائی کے خلاف بھائی، باپ کے خلاف بیٹا، ماموں کے خلاف بھانجا، چچا کے خلاف بھتیجا، دوست کے خلاف دوست صف آرا تھا، اور یہ وہ لوگ تھے کہ اگر بزرگوں نے خردوں کو آغوش محبت میں پالا تھا تو خرد بھی بزرگوں کی شفقت و احسان کے زیر بار تھے پھر عرب کے قبائلی نظام میں قبیلے کا ایک ایک فرد دُور تک شمار کیا جاتا تھا۔ لیکن یہی رشتہ اب ایک دوسرے کے خلاف شمشیر بکف ہوگیا، اور یہ مہاجرین کی جرأت ایمانی تھی۔ جس نے انھیں خدا اور اس کے رسول کے دشمن عزیز و اقارب کی گردنیں کاٹنے پر آمادہ کر دیا اور ان کے اس جذبہ ایمانی کی شہادت خود اللہ تعالیٰ نے بالفاظ ذیل دی:۔

لَا تَجِدُ قَوْمًا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ يُوَادُّونَ مَنْ حَادَّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَلَوْ كَانُوا آبَاءَهُمْ أَوْ أَبْنَاءَهُمْ أَوْ إِخْوَانَهُمْ أَوْ عَشِيرَتَهُمْ أُولَٰئِكَ كَتَبَ فِي قُلُوبِهِمُ الْإِيمَانَ وَأَيَّدَهُمْ بِرُوحٍ مِنْهُ وَيُدْخِلُهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا رَضِيَ اللَّهُ

"تو اُن لوگوں کو جو اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں ایسا نہیں پائے گا۔ کہ وہ اُس شخص سے دوستی رکھیں، جو اللہ اور اُس کے رسول کی مخالفت کرتا ہے، گو وہ ان کے باپ ہوں، یا اُن کے بیٹے یا اُن کے بھائی یا اُن کے کنبہ کے لوگ۔ ان ہی کے دلوں کے اندر اللہ نے ایمان لکھ دیا ہے اور

عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ أُولَئِكَ حِزْبُ اللَّهِ أَلَا إِنَّ حِزْبَ اللَّهِ هُمُ الْغَالِبُونَ

(مجادلہ)

اپنی روح سے ان کی مدد کی ہے، اور وہ انھیں ایسے باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں وہ انہی میں رہیں گے، اللہ ان سے راضی ہے اور وہ اللہ سے راضی ہیں، یہ اللہ کی جماعت ہے۔ سنو اللہ کی جماعت ہی غالب رہے گی۔

اے امتِ مسلمہ کے گلہائے سرسبد! خدا اور رسول کے دشمن رشتہ داروں سے تمھارا جہاد مبارک ہوا، تمھارے سینوں میں ایمان کندہ کر دیا گیا، اور اسے تمھارے سینوں کی زینت بنا دیا گیا، حَبَّبَ إِلَيْكُمُ الْإِيمَانَ وَزَيَّنَهُ فِي قُلُوبِكُمْ اور کفر و عصیان سے تمھیں نفرت و حقارت ہوگئی وَكَرَّهَ إِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوقَ وَالْعِصْيَانَ۔ اور اللہ تعالیٰ کی نگاہوں میں تم أُولَئِكَ هُمُ الرَّاشِدُونَ (الحجرات) کے الفاظ میں رشد و ہدایت کے چراغ ہو، پس اللہ تعالیٰ کے فرشتوں نے تمھاری نصرت کی، تم پر جنت کے دروازے چوپٹ کھول دئے گئے جس میں تم ہمیشہ رہو گے، اللہ تعالیٰ نے اپنی رضا کی مہر تمھارے نامۂ اعمال پر ثبت کردی، اور تم نے بھی سب کی طرف سے منہ موڑ کر رضائے الٰہی کو اپنا قبلۂ مقصود قرار دے لیا، تم اللہ کی جماعت ہو، جس نے دنیا کے ہر میدان میں کامیابیاں حاصل کیں، تم نے قیصر و کسریٰ کے استبداد کی گردن توڑی اور مقہور و مظلوم غلام قوموں کو نجات دلائی، تمھاری سنت پر چلنے والے اہلِ ایمان ہمیشہ غلبہ حاصل کریں گے اور تمھارے بدخواہ ہمیشہ نامراد، روسیاہ اور خائب و خاسر رہے اور رہیں گے، صدق اللہ مولانا العظیم۔ باقی

گزارش

خریداری بُرہان یا ندوۃ المصنفین کی ممبری کے سلسلے میں خط و کتابت کرتے وقت یا منی آرڈر کوپن پر برہان کی چٹ نمبر کا حوالہ دینا نہ بھولیں۔ تاکہ تعمیلِ ارشاد میں تاخیر نہ ہو۔ اس وقت بے حد دشواری ہوتی ہے جب ایسے موقع پر آپ صرف نام لکھنے پر اکتفا کر لیتے ہیں۔

ہندوستان میں فارسی زبان و ادب کی علمی اور ثقافتی حیثیت تاریخ کی روشنی میں

جناب ڈاکٹر سمیع الدین احمد صاحب۔ لکچرار۔ شعبہ فارسی۔ مسلم یونیورسٹی۔ علی گڈھ۔ یو پی۔

ہمارے ملک کی سرزمین کئی سو سال سے فارسی زبان اور ادبیات کا گہوارہ رہی ہے۔ لہذا فارسی زبان و ادب کی تاریخ کے مطالعہ کے وقت برصغیر ہند کی علمی اور تہذیبی کوششوں اور اس کے اہم رول سے انکار یا صرف نظر ممکن نہیں۔ یہ ایک ایسی حقیقت ہے کہ جس کے نتیجہ میں نہ صرف ایرانی زبان اور ادبیات کا ایک بالکل جداگانہ، مستقل اور آزاد باب جس کو ہم ہندوستانی فارسی ادبیات کا باب کہہ سکتے ہیں ـــــ وجود میں آیا ہے بلکہ اس نے تہذیبی سطح پر ایسے لافانی اثرات اور نشانیاں چھوڑی ہیں جو ہند ایرانی تہذیب کا سرمایہ کہی جا سکتی ہیں۔ فارسی آج بھی مختلف حیثیتوں سے ہماری تہذیب کے رگ و ریشہ میں پیوست ہے اور ہمارے کلچر کا کم و بیش ہر گوشہ اس کی فعالیت سے متاثر ہے عام درسیات، علم و فضل، شعر و ادب، اور دوسری علمی و ادبی تخلیقات کا وسیلہ ہونے کے علاوہ فارسی زبان کے اثرات اور نقوش بہ حیثیت مجموعی ہندوستان کی سیاسی و ملکی، معاشرتی، مذہبی اور

ثقافتی تاریخ کے اوراق پر بہت نمایاں طور سے مرتسم نظر آتے ہیں۔ عہد غزنوی سے لے کر تیموری حکومت کے زوال کے دور تک تاریخ عالم اور تاریخ ہند کا کم و بیش سارا سرمایہ اسی زبان میں قلمبند ہوا ہے خالص علمی یا ادبی کارناموں کے علاوہ مختلف قسم کے افکار و خیالات، معتقدات، نظریات، روایات اور داستانیں کو ہندوستان کے تہذیبی اور فکری دھاروں میں سمو دینے کا کام بھی اسی زبان کے ذریعہ عمل میں آیا ہے۔ ابتدائی دور سے لے کر متاخرین کے عہد تک شعراء فارسی کے بے شمار دواوین اور دوسرے قسم کے شعری و ادبی آثار کے علاوہ مختلف موضوعات پر اور مختلف علوم سے متعلق فارسی میں لکھی ہوئی کتابیں اتنی کثرت سے ہیں کہ حیرت ہوتی ہے اور اندازہ ہوتا ہے کہ علوم و ادبیات کا کس قدر ضخیم اور قیمتی سرمایہ ہمارے ملک کے تہذیبی و ثقافتی ورثہ کے طور پر موجود و باقی ہے۔ اس کا ثبوت ہندوستان اور دوسرے ممالک میں بکھرے ہوئے علمی ذخیروں کی وہ مشروح یا غیر مشروح فہرستیں اور دوسرے ماخذ ہیں جن میں ان علمی آثار کا ذکر ثبت ہے۔ خوش قسمتی سے اس بیش بہا سرمایہ کا بیشتر حصہ مخطوطات یا مطبوعات کی شکل میں محفوظ ہے اور اس کی تحقیقاتی تدوین و ترتیب سے ہندوستان کی سیاسی، معاشرتی اور تہذیبی تاریخ کے بہت سے مسائل پر روشنی پڑ سکتی ہے اور نئی تعبیریں پیش کی جا سکتی ہیں۔

ہندوستان کے طول و عرض میں قلعوں، محلات شاہی، مساجد، خانقاہوں، مناروں

لہ مشہور مستشرق (آں جہانی) سی۔ اے۔ اسٹوری (C. A. Storey) کا لافانی کارنامہ Persian Literature اس سلسلہ میں سر فہرست قرار دیا جا سکتا ہے جس میں مصنف نے بڑی تلاش اور تحقیق کے ساتھ حتی المقدور تمام علمی ذخیروں کے مخطوطات کے بارہ میں بیش قیمت اور اہم اطلاعات یکجا کر کے فارسی علم و ادب کو ہمیشہ کے لئے اپنا مرہون منت بنا لیا ہے بدقسمتی سے یہ فہرست علوم کے تمام شعبوں پر محتوی نہیں، جو موضوعات شامل ہو سکے ہیں وہ قرآنی ادب، سیرت، تاریخ، علوم اور چند دوسرے موضوعات ہیں۔ فارسی زبان و ادب کے ہر اس طالب علم کے لئے جو ان عنوانات میں سے کسی ایک کو اپنی تحقیق کا موضوع قرار دے، اس وقیع ماخذ کا مطالعہ ناگزیر ہے۔

اور دوسری تاریخی عمارتوں پر جا بجا فارسی میں کھدے ہوئے کتبات، نقوش اور طغرے اس زبان کی وسیع و عریض فرمانروائی کا کھلا ہوا ثبوت ہیں[1]۔ بقول پروفیسر نذیر احمد "اگر کوئی شخص نیشنل آرکائوز میں جاکر بچشم خود ملاحظہ کرے تو اس کو اس زبان کی وسعت و ہمہ گیری کا اندازہ ہوگا۔ سیاسی اثرات کی شکل یہ ہے کہ سرکاری زبان ہونے کی وجہ سے سارے کاروبار اسی زبان کے توسط سے عمل میں آتے تھے۔ سرکاری فرامین، دستاویزات اور دوسرے اہم کاغذات فارسی میں لکھے جاتے تھے"[2]۔

اُردو زبان کی ابتدا اور تدریجی ارتقا میں مقامی حالات، مختلف بولیوں اور ہندوستان کے مخصوص تہذیبی، تاریخی، جغرافیائی اور معاشرتی ماحول کے علاوہ فارسی زبان اور اس کے ادب نے جو خصوصی اور اہم رول ادا کیا ہے، اس کا بیّن ثبوت خود اردو زبان اور اس کی زندہ تاریخ ہے اور اس روشن حقیقت سے ہر صاحبِ نظر شخص بخوبی واقف ہے۔ اردو کے علاوہ ہندوستان کی دوسری علاقائی زبانوں مثلاً پنجابی، سندھی، کشمیری، گجراتی، مرہٹی[3]، ہندی، بنگالی، تامل، تلیگو، ملایالم وغیرہ کے افکار اور ادب عالیہ کا اگر بہ نظر تلاش و تحقیق مطالعہ کیا جائے تو وہاں بھی کسی نہ کسی شکل میں فارسی کے نفوذ و تاثیر کی کارفرمائی ملے گی[4]۔

برصغیر ہندوستان اس زبان اور اس کے ادب کی ترقی و فروغ میں سیاسی اور ملکی حالات کو بڑا دخل رہا۔ اس اجمال کی تفصیل پیش کرنے سے پہلے یہ بتانا ضروری ہے کہ اشاعتِ اسلام

---

[1] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو کتاب "نقش پارسی بر احجار ہند"، از علی اصغر حکمت۔

[2] تاریخی و ادبی مطالعے۔ ص ۳۰۵۔

[3] ملاحظہ ہو مولوی عبدالحق دہلوی کی کتاب "مرہٹی زبان پر فارسی کا اثر" جس میں تفصیل کے ساتھ ان اثرات سے بحث کی گئی ہے جن کا آغاز مہاراشٹر میں کم و بیش تیرھویں صدی عیسوی میں مسلمانوں کی اس علاقہ میں آمد کے ساتھ ہوا اور جو آگے چل کر تدریجاً زیادہ نمایاں اور گہرے ہوتے چلے گئے۔

[4] پروفیسر نذیر احمد نے اپنے مضمون Influence of Persian on Indian Languages میں مختلف ہندوستانی زبانوں اور ان کے ادبیات پر فارسی کے اثرات کا بہت تحقیقی جائزہ لیا ہے (ملاحظہ ہو مجلہ ہند و ایران، شمارہ اول، جلد ۴، اپریل ۱۹۴۲ء)

سے قبل ہندوستان اور ایران کے باہمی تعلقات سیاسی اور خاص طور سے تہذیبی، لسانی علمی اور ادبی سطح پر بہت استوار تھے اور آریائی نسل کی یگانگت نے ان دونوں ملکوں کو قدیم زمانہ سے ایک دوسرے کے بہت قریب کردیا تھا۔ مختلف ذرایع سے اور متعدد شواہد کی روشنی میں ان باہمی روابط کے وجود اور ان کی قدامت کا قطعی ثبوت ملتا ہے۔ بہت پہلے ایرانی یا زردشتی تہذیب کی روایات ہمارے ملک میں داخل ہو چکی تھیں اس کے علاوہ قرائن یہ بتاتے ہیں کہ ساتویں صدی عیسوی کے اواسط میں عربوں کے حملا اور فتح ایران کے بعد زردشتی عقاید کے ماننے والے پارسیوں کی کچھ تعداد نے (غالباً) اس حملہ کے اثرات سے اپنے کو محفوظ رکھنے کے لئے ہندوستان کا رُخ کیا[1]۔ اور مغربی اور جنوب مغربی علاقوں یعنی سندھ، گجرات اور موجودہ مہاراشٹر کے مختلف حصّوں میں منتشر ہو گئے اور آخر کار وہیں بس گئے۔ اس خیال کی تصدیق پروفیسر عباس مہرین شوشتری کے بیان سے ہوتی ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ "دراں گیرودار برخی ازمردم فارس بہ مکران وسیستان ہجرت کردند واندکی بہ فیرنفس پسر یزدگرد کہ بہ چین پناہندہ شدہ بود، پیوستند وتخمیناً ہفت صدتن خودرا بہ کاتیاوار (ہند) رساندند...... برخی ازراہِ دریا بہ ساحل جنوب مغرب ہند ہجرت کرد"[2]۔

اس طرح ہندوستان میں ایرانی نژاد لوگوں کے ورود اور دونوں ملکوں کے درمیان زمانہ سابق کے مقابلہ میں زیادہ جدید اور وسیع انداز پر ثقافتی رابطہ کا ثبوت تو فراہم ہو جاتا

---

[1] ایران پر مسلمانوں کے حملہ کے اثرات تخریبی نہ تھے بلکہ خالصتہً تعمیری تھے۔ تاریخ شاہد ہے کہ اسلام جس سرزمین میں پہنچا ابرِ رحمت بن کر برسا۔ اس کا نظام حیات جس کی بنیاد یں انسان دوستی، عام رواداری، امن وامان، اور تمام بنی نوع انسان کو ایک رشتہ مساوات میں پرونے کے زرّیں اصول پر قایم ہیں، ایرانی عوام کے لئے جو صدیوں سے ساسانی استعماریت اور ظلم وتشدد کے بوجھ کے تلے دبے ہوئے تھے، پیغام رحمت ثابت ہوا نہ کہ بربادی کا پروانہ۔ کسی تاریخی مآخذ سے اس بات کا ثبوت نہیں ملتا کہ ایرانی عوام کی اکثریت عربوں کے حملہ سے خائف ہو کر جان ومال کی حفاظت کی خاطر ترک وطن پر مجبور ہوئی ہو۔ ایک ناقابل لحاظ اقلیت کے ترک وطن کے عمل کو اکثریت کے عمل پر محمول نہیں کیا جا سکتا۔

[2] "علایق فرہنگی آریائی ہند وایران" مجلہ آئینہ ہند، سال نہم، شمارہ پنجم، مہرو آبان، ۱۳۵۱، ص ۵

ہے لیکن ہندوستان میں فارسی دری[1] (جو زیرِ نظر سطور میں ہمارا موضوعِ سخن ہے) کی ترویج و فروغ کے امکانات اور مواقع گیارہویں صدی سے پہلے وجود میں نہیں آتے۔ حقیقت یہ ہے کہ فارسی کی نشر و اشاعت میں سلاطین غزنہ کی کوششوں کو دخل تھا جن کے سیاسی مقاصد نے اس زبان کا نقش اولین اس ملک میں قائم کیا۔ محمود غزنوی کی شخصیت بڑی متنوع تھی۔ باذوق اور صاحبِ کمالات ہونے کے ساتھ وہ بیک وقت سیف و قلم کا دلدادہ تھا۔ اس کے ہم سفر نہ صرف جنگجو اور شمشیر زن سپاہی ہوتے تھے بلکہ علم و ادب، شعر و فن اور اکتسابات سے بہرہ ور علما، خطیبوں، واعظوں اور اربابِ کمال حضرات کی تعداد بھی خاص ہوا کرتی تھی اور مقبوضہ علاقوں کے نظم و نسق اور امورِ سلطنت کی انجام دہی کے سلسلہ میں ان کے انشا و تحریر اور قلم و بیان کی ضرورت ناگزیر طور پر رہا کرتی تھی۔ محمود کے دربار کا جلیل القدر اور باکمال عالم، منجم، فلسفی، ریاضی دان اور مورخ ابوریحان البیرونی خوارزمی (۳۶۲ - ۴۴۰ھ) جو اس کے خاص مصاحبین میں سے تھا، ہندوستانی معرکوں میں اس کے ساتھ رہا تھا بیرونی نے متعدد تصانیف بطور یادگار چھوڑی ہیں۔ خیال ہے کہ وہ سنسکرت کا بھی عالم تھا اور ریاضی کے موضوع پر لکھی ہوئی کتاب سدھانت (Siddhanta) کے کچھ اجزا اور چھٹی صدی عیسوی کے مشہور ہندوستانی ریاضی دان عالم وراہا میہرا (Varahamihira) کی ایک تصنیف کا ترجمہ اس نے عربی میں کیا تھا[2] ہندوستان میں قیام کے دوران اس نے ہندوستانی علوم، تاریخ، جغرافیہ، مذہب اور معاشرت، معتقدات اور سماجی حالات کا گہرا مطالعہ

---

[1] فارسی دری سے مراد وہ کلاسیکی فارسی ہے جو دراصل پہلوی زبان (فارسی میانہ) کی ترقی یافتہ شکل ہے اور جو ایران پر عربوں کے حملہ اور تسلط کے کم و بیش دو سو سال بعد مختلف لسانی صرفی اور نحوی تغیرات سے گذر کر ایک نئے قالب میں نمودار ہوئی اور اس نام سے موسوم ہوئی یہ وہی فارسی ہے جو ہم عام طور سے لکھتے پڑھتے اور سمجھتے ہیں۔ زبان و ادب کی تاریخ کی ایک اصطلاح کے مطابق یہ فارسی جدید بھی کہلاتی ہے لیکن یہ فارسی جدید، اس موجودہ اور عصری زبان سے بہت مختلف ہے جو آج ایران میں رائج ہے اور جس کو ہم دونوں کا فرق واضح کرنے کے لئے ــــــ جدید ترین فارسی کا نام دے سکتے ہیں۔

[2] دکتر ذبیح اللہ صفا، تاریخ ادبیات در ایران، ج ۱، ص ۲۸۲۔

کیا تھا اور یہاں کے دانشمندوں اور علماء کی صحبتوں میں شریک رہا تھا۔ غالباً ہندوستانی تمدن و تہذیب سے اسی شناسائی کی بنیاد پر اس نے ایک اہم اور مشہور تصنیف بنام "تحقیق ماللہند" (عربی) جس کا عام فہم نام کتاب الہند ہے، مرتب کی تھی جو ایک وقیع علمی کارنامہ ہے اور ہندوستان کے بارہ میں اطلاعات کا ایک بیش بہا مخزن اور مآخذ۔ اس کتاب میں ہندوؤں کے رسم و رواج۔ مذہبی عقاید و خیالات، فلسفہ و حکمت، رہن سہن اور دوسرے تاریخی اور اجتماعی مسائل پر روشنی ڈالی گئی ہے[1]۔ اس کے علاوہ ملک الشعرا عنصری اور فرخی سیستانی جیسے شاعروں کو بھی ہم سفر اور ہم رکاب ہونے کا فخر حاصل رہا۔ محمود کو مخاطب کرتے ہوئے فرخی کہتا ہے:

بار باتو بدریائی بیکرانہ شدم نہ موج دیدم و نہ (نی) ہیبت نہ شکوہ نہ شر

یا: زآنکہ مرا رنج و خستگی رہ قنوج کوفتہ کردہ است و خیرہ مغز و سبکسار

عنصری کے قصیدوں میں ہندوستان کے واقعات اور معرکوں کے بارہ میں اہم تاریخی حوالے ملتے ہیں۔ فرخی نے بھی اپنے کلام میں ہندوستان کی فتوحات، مقامات اور واقعات وغیرہ کے بارہ میں شہادتیں پیش کی ہیں[2] جو تاریخ اور ادب دونوں کے لحاظ سے بڑی اہمیت اور دلچسپی رکھتی ہیں۔

بعد میں لاہور جو نئے مقبوضات کا مستقر تھا، مرکزِ علم و فن بھی قرار پایا۔ علم دوست اور معارف پرور حکمرانوں، شہزادوں اور امراء کی ادب نوازیوں کے سایہ عاطفت میں نئی زبان

---

[1] ان موضوعات پر مزید مطالعہ کے لئے ملاحظہ ہو "سرزمین ہند" (فارسی) از علی اصغر حکمت

[2] سومنات کے سفر اور فتح کے بیان میں اس نے ایک قصیدہ موزوں کیا تھا جس کا مشہور مطلع یہ ہے: فسانہ گشت و کہن شد حدیث اسکندر + سخن نو آر کہ نو را حلاوتی ست دگر۔ دیوان حکیم مسعودی مروزی (تصحیم طاہری شہاب، انتشارات ابن سینا، ص ۱۲) میں لکھا ہے کہ "ظاہراً دریں سفر (سومنات) کہ از دہم شعبان ۴۱۶ تا دہم صفر ۴۱۷ طول کشیدہ ...... یگانہ شاعری کہ باری (محمود) بہ سومنات رفتہ است۔ فرخی است"

اور اس کے ادب کو پھلنے پھولنے اور پروان چڑھنے کا موقع ملا۔ غزنوی اور غوری سرداروں نے نہ صرف فارسی کو سرکاری زبان کی حیثیت دے رکھی تھی بلکہ وہ علوم اور ادبیات کی سرپرستی اور ترویج کی روایت بھی اپنے ساتھ لے کر آتے تھے۔ اس کے علاوہ سیاسی اور ملکی مصالح اور ضروریات کے تحت بھی اس زبان کا ترقی پذیر ہونا ناگزیر تھا، اسی بناء پر مسلم اقتدار کے پھیلاؤ کے ساتھ ساتھ شمالی مغربی علاقوں میں اور پھر تیرھویں صدی عیسوی کے اوائل میں دھلی سلطنت کے قیام کے دوش بدوش فارسی کی ترقی کی رفتار تیز سے تیز تر ہو گئی اور جابجا علم و ادب، درس و تدریس اور علوم و فنون کے مراکز قایم ہونا شروع ہو گئے تحقیق کی روشنی میں ہمارے سامنے متعدد ایسے علماء و فضلاء، ادیبوں، شاعروں اور اہلِ قلم حضرات کے نام آتے ہیں جن میں سے اکثر کے کارنامے آج بھی محفوظ ہیں اور جن کے وسیلہ سے تاریخی تسلسل کی رعایت کو قایم رکھتے ہوئے ہندوستان کی مربوط اور تاحال قایم شدہ فکری اور ثقافتی تاریخ کی تدوین میں بڑی مدد ملتی ہے۔

کسی زبان کی اہمیت اور وسعت کا اندازہ اس کی ادبی، درسی اور علمی حیثیت کے علاوہ عام مقبولیت کے لحاظ سے بھی لگایا جا سکتا ہے۔ اگر ایک طرف سیاسی ضرورت کے تحت فارسی کو ایک مدت دراز سے مسلم حکمرانوں کے عہد اقتدار میں سرکاری زبان کا درجہ حاصل رہا تھا تو دوسری جانب خالص عوامی اور معاشرتی سطح پر بھی اس کے جاننے لکھنے پڑھنے اور سمجھنے والے کثیر تعداد میں موجود تھے آج بھی جب کہ بادی النظر میں اس کے بازار میں بے رونقی کا سکہ چل رہا ہے اور وہ اپنا گذشتہ وقار کھو بیٹھی ہے، ع "آثار پدید است صنادید عجم را" کے مصداق اس کی عظمت کے آثار اور نشانات کی تلاش ناممکن نہیں یہ زبان اردو ادب کے متعدد ممتاز ترین ادیبوں اور شاعروں کی تخلیقات کا طرۂ امتیاز اور خیالات کے اظہار کا وسیلہ بھی رہی ہے یہاں تک کہ چند عظیم المرتبت شاعروں نے اپنے کلام کو فارسی سے مزین اور آراستہ کرنے میں فخر محسوس کیا ہے۔ غالب زندگی بھر اپنے

فارسی کلام ہی کو سرمایۂ حیات سمجھتے اور اس پر فخر کرتے رہے۔ شاعر مشرق اقبال کے افکار و نظریات کی شرح و بسط میں فارسی نے جو کردار ادا کیا ہے اس سے ہر با علم شخص بخوبی آگاہ ہے اس کے علاوہ آج بھی ایسے موزوں طبع افراد مل جائیں گے جو اس زبان میں سخنوری کے جوہر دکھا سکتے ہیں۔

ہندوستان میں ایک بیرونی زبان کی حیثیت سے داخل ہونے کے باوجود اپنی شیرینی، تروتازگی، دل کشی اور ہمہ گیری کی صفات کی بنا پر بہت جلد اس زبان نے ایک تہذیبی اور علمی درجہ حاصل کرلیا اور نہ صرف یہاں کے ثقافتی سرچشموں سے کسب فیض کیا بلکہ جیسا کہ پہلے کہا جا چکا ہے، اپنے فکری، علمی اور ادبی سرمایہ کو بہ حیثیت مجموعی ہندوستانی ثقافت کے مخزن میں ایک بیش قیمت اضافہ کی شکل میں جذب کرنا شروع کیا۔

مختلف جماعتوں، فرقوں اور مذاہب کے ماننے والوں کی تہذیبی اور مذہبی زندگی میں فارسی ادب کے وسیلہ سے ایسے خیالات اور نظریات کی درآمد ہوئی جنھوں نے فکری اعتبار سے ہند اور ایران کو ایک کردیا۔ تصوف کے افکار و نظریات کسی نہ کسی شکل میں فارسی ادب ہی کے ذریعہ سے یہاں زیادہ واضح صورت میں جڑ پکڑ گئے اور ویدانت کے فلسفہ نے ایک نیا روپ دھارا۔ مثال کے طور پر گرونانک اور دوسرے پیشواؤں کی تعلیمات میں وحدت ذات اور عرفان کا فلسفہ اسی دھارے کے وسیلہ سے گھل مل گیا۔ اس کے علاوہ ہندوستان کے دوسرے حصوں میں بھی اس قسم کے عناصر کی آمیزش وجود میں آئی۔ علوم و فنون اور تہذیب و تمدن کی ترقی کے ساتھ ساتھ اس زبان نے غیر مذاہب کے لوگوں کو بھی متاثر کرنا شروع کیا۔ ہندوستان کی تاریخ میں (غالباً) پہلی بار لودی عہد میں ہندوؤں نے نہ صرف اس زبان کو پڑھنا لکھنا سیکھا بلکہ اس کے ادب کی سرزمین میں اپنے جوہر اور کمالات دکھلاتے۔

جیسا کہ پہلے کہا جا چکا ہے، ہندوستان میں فارسی زبان اور علوم کی روایت اور اس کا نقش اولیں امراء غزنوی کی علم دوستی، سیاسی مصالح اور ادب نوازی کا نتیجہ تھا اور اس حیثیت سے

وہ بانی کا درجہ رکھتے ہیں۔ ہندوستانی فارسی کے اولین معمار انھیں کے عہد میں نہ صرف زندہ تھے بلکہ ان کے خوانِ کرم کے خوشہ چین بھی تھے۔ تذکرہ لباب الالباب کے مصنف سدید الدین محمد عوفی نے ان ادیبوں اور شاعروں کا ذکر کیا ہے جن میں سے متعدد کے اشعار غزنوی امرا اور[1] کی مدح میں ہیں۔ اس سلسلہ میں ابو عبداللہ النکتی، ابوالفرج رونیؒ[1] اور مسعود سعد سلمانؒ[2] کے نام سرِ فہرست ہیں اور قابلِ ذکر۔ اس کے علاوہ تصوف کے موضوع پر فارسی میں پہلی کتاب کشف المحجوب غالباً ہندوستان ہی میں غزنویوں کے زمانۂ حکمرانی میں لاہور میں لکھی گئی۔ اس اہم کتاب کے مصنف شیخ ابوالحسن علی بن عثمان الجلابی الهجویری (متوفی ۱۰۷۳ء) ملقب بہ داتا گنج بخش اگرچہ غزنین میں پیدا ہوئے تھے لیکن اپنی زندگی کا بیشتر حصہ انھوں نے لاہور میں گذارا جہاں ان کا مزار آج بھی مرجع خاص و عام ہے۔

ہندوستان میں مسلمان فاتحین کی آمد کے بعد گویا تمدنِ اسلامی اور فارسی زبان و علوم کی درآمد کا سلسلہ شروع ہوگیا اور علمی اور ثقافتی سرگرمیوں کے ذیل میں فارسی زبان میں تصنیف و تالیف کے امکانات اور حالات سازگار ہوتے۔ جا بجا مدرسے، کتاب خانے اور مراکزِ علم کھلنے لگے اور علم و ادب کا پرچار وسیع پیمانہ پر شروع ہوگیا۔ جب محمود غزنوی کے ورثا نے[3] بجائے غزنہ لاہور کو اپنا مرکزی مقام بنا لیا تو علم و ادب کی روایات بھی وہیں منتقل ہوگئیں اور

---

[1] چند سال پہلے شائع ہونے والی فارسی ادبیات کی تاریخ History of Persian Literature (مؤلفہ Jan Rypka) میں جان ریپکا (Jan marek) نے ابوالفرج کے بارہ میں لکھا ہے کہ یقین کے ساتھ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ نیشاپور کے پاس ایک مقام رونہ میں پیدا ہوا تھا یا لاہور کے قریب ایک گاؤں رونہ میں۔ پروفیسر اقبال حسین نے اپنی کتاب Early Persian Poets of India میں لکھا ہے کہ وہ لاہور کے پاس پیدا ہوا تھا۔ یہی بات عوفی نے لباب الالباب میں لکھی ہے۔ مقدم الذکر کتاب میں Jan Rypka نے لکھا ہے کہ وہ خود لاہور میں پیدا ہوا تھا لیکن اس کے خاندان والے نیشاپور کے پاس ایک مقام رونہ کے رہنے والے تھے۔ [2] یہ خوش اعتقادی کہ وہ ہندی کا بھی شاعر تھا غالباً صحیح نہیں۔ یہ بیان خسرو نے دیباچہ غرۃ الکمال میں لکھا ہے بہرحال ہندی یا ہندوستانی ہونے کے سبب سے اس نے دوسری نظموں کے علاوہ ہندوستان کے موسم برسات پر بعنوان برشکال ایک دلکش نظم لکھی ہے۔ [3] محمود کے بعد اس کے ورثا میں سے کوئی اتنی اہمیت نہیں رکھتا تھا کہ اس کی قائم کردہ وسیع سلطنت کو برقرار رکھتا۔ غوریوں اور پھر سلجوقی اور ترکوں کی بڑھتی ہوئی طاقت نے انھیں مجبور کر دیا کہ وہ حکومت غزنہ سے دست بردار ہو جائیں اور ہندوستانی مقبوضات ہی پر اکتفا کریں۔

لاہور "غزنین خورد" کہلانے لگا۔ ۱۱۸۶ء میں آخری غزنوی حکمران خسرو ملک کی شکست کے بعد غوریوں کا اقتدار ان علاقوں میں مسلّم ہوگیا اور مرکز حکومت لاہور سے ملتان اور۔ اُچّہ اور پھر بعد میں دہلی منتقل ہوگیا۔ غوری سردار بھی بڑے علم پرور تھے۔ حسن نظامی نیشاپوری[1] (مصنف تاج المآثر) کے قول کا حوالہ دیتے ہوئے ڈاکٹر یوسف حسین خاں لکھتے ہیں کہ سلطان شہاب الدین محمد غوری نے اجمیر میں متعدد مدرسے قایم کئے تھے[2] جو ہندوستان میں اپنی نوعیت کے پہلے مدرسے تھے۔ اس کے علاوہ ناصر الدین قباچہ، التمش اور بعد کے اکثر و بیشتر مسلم فرمانرواؤں نے اپنے دائرۂ عمل میں درسی و علمی اداروں کے قیام کے سلسلہ میں اقدامات کئے اور یہ روایت تیموریوں (مغلوں) کے عہد تک قایم رہی۔

غوریوں کے نائبین سلطنت قطب الدین ایبک اور ناصر الدین قباچہ نے علماؔ و فضلاء کی تربیت و نوازش میں نمایاں حصہ لیا[3]۔ محمد بن منصور المعروف بہ فخر مدبر نے اپنی تصانیف شجرۃ الانساب اور آداب الحرب والشجاعۃ بالترتیب قطب الدین ایبک اور التمش کے نام معنون کی تھیں[4]۔ بدایونی نے منتخب التواریخ (ج ۱، ص ۵۵) میں لکھا ہے کہ ایبک جود و کرم میں ضرب المثل تھا اور لاکھ روپیہ بطور انعام دینے کی رسم اسی نے جاری کی تھی۔

---

[1] ایک قول یہ بھی ہے کہ وہ بسطام کا رہنے والا تھا لیکن اسٹوری (Persian lit Sec II Fasc. - s p.493) نے لکھا ہے کہ اس کا وطن نیشاپور تھا۔

[2] ملاحظہ ہو۔ Glimpses of Medieval Indian Culture

[3] عوفی نے ایبک کی علم دوستی کا ذکر کرتے ہوئے اس کے جود و کرم سے فیض یاب ہونے والے ادیبوں اور شاعروں میں جمال الدین محمد بن ناصر علوی، قاضی حمید الدین اور بہاؤ الدین اوشی جیسی ممتاز شخصیتوں کا نام لیا ہے۔ بہاؤ الدین اوشی کا ذکر بدایونی نے بھی منتخب التواریخ (ج ۱، ص ۵۵) میں کیا ہے اور ایبک کی مدح میں کہے ہوئے اس کے دو مندرجہ ذیل اشعار نقل کئے ہیں۔

اے بخشش لک تو در جہان آوردہ   کان را کف تو کار بجان آوردہ
از رشک کف تو خون گرفتہ دل کان   وز لعل بہانہ درمیان آوردہ

[4] ملاحظہ ہو ڈاکٹر ممتاز علی خان کی کتاب Some Important Persian prose writings of the Thirteenth Century A.D. in India